اُردو داستانوں میں ہندی تہذیب کی عکاسی

Reflection of Hindi civilization in Urdu stories

Rahat Nasreen
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Bazghah Qandeel
Assistant Prof., Department of Urdu,
Govt. College Women University Faisalabad

Muhammad Hafeez
Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

راحت نسرین
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

بازغہ قندیل
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

محمد حفیظ
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

p ISSN: 2789-4169
e ISSN :2789-6331
Received:12-5-2023
Accepted:
Online:

Copyright: © 2023 by the authors. article open-accessThis is an distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Dastanain (Tales) have always been a salient feature of literature all over the world where each tale depicts the socio-cultural scenario as well as civilization of its relevant literature. Storytelling remained a part of Urdu literature for a long time but gradually has been replaced by other genres of literature. The purpose of this article is to unveil those mysteries of Indian culture and civilization that these tales encompass within themselves..

کلیدی الفاظ: تہذیب (Civilization)، اصناف (Genres)، نمایاں خصوصیات (salient feature)، سماجی اور ثقافتی (socio-cultural)، داستانیں (Tales)، عکاسی (Reflection)

داستانوں کی تخلیق نے اُردو ادب کے دامن کو ثروت مند کیا ہے یہ ہمارے ادب کا نایاب سرمایہ ہیں۔ کہانی انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آگئی تھی یعنی کہانی یا قصہ بھی اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان اس لیے داستان کو اگر اُردو ادب کی قدیم ترین نثری صنف کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

قصہ سننا ہمیشہ ہی سے انسان کا من پسند مشغلہ رہا ہے۔ وقت نہ ملنے کے شکوہ کے باوجود آج بھی وہ اپنے شوق سے دستبردار نہیں ہو پایا۔ کہانی نے ایک لمبے عرصے تک انسان کے دل پر راج کیا ہے اور یہی قصہ، کہانی ترقی کرتے کرتے آخر داستان کی شکل اختیار کر گئی۔ داستان کہانی کی نسبت تفننِ طبع کا سامان زیادہ مہیا کرتی ہے اس کی وجہ اس میں واقعات کی تعداد اور تسلسل کی موجودگی ہے۔ کلیم الدین احمد اس بارے میں لکھتے ہیں:

"داستان کہانی کی طویل، پیچیدہ، بھاری بھرکم صورت ہے۔"[۱]

داستان گوئی اُن دِنوں کی بات ہے جب انسان کے پاس فرصت تھی اور انسان کہانی کہنے اور سننے میں از حد دلچسپی رکھتا تھا کیونکہ یہی کہانی انسان کے لیے مکمل تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ تھی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہی کہانی سنتے سناتے آخرکار داستان کے قالب میں ڈھل گئی دوسرے معنوں میں داستان کہانی کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔ داستان گوئی کے بارے میں ڈاکٹر سہیل بخاری اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کر رہے ہیں۔

"داستان گوئی کا رواج انسانی کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں صدیوں سے چلا آتا ہے اور قریب قریب ہر قوم میں داستان سرائی ہوتی رہی ہے۔ عرب کے عہدِ جاہلیت میں رات کھانے کے بعد سننے والے کسی کھلے مقام پر آبیٹھتے تھے اور داستان گو کی داستان سنتے تھے جیسے ہی داستان ختم ہو جاتی تھی۔ داستان گو اُجرت کی کھجوریں لے لیتا تھا اور محفل برخاست ہو جاتی تھی۔"[۲]

داستان نے ایک باقاعدہ صنفِ ادب کے طور پر ایک خاص عہد میں جنم لیا اور ایک طویل عرصہ کے بعد بالآخر یہ اختتام پذیر ہوئی اور ادب کے اس ایک منبع سے دوسری متعدد اصنافِ سخن نے جنم لے لیا جس میں ناول، افسانہ اور ڈراما وغیرہ شامل ہیں یہ داستان کی جدید شکلیں ہیں جو ادب کے پہلو بہ پہلو چلتی آ رہی ہیں۔ داستانوی ادب کی اثر آفرینی آج بھی کسی نہ کسی صورت میں قائم ہے اور اس کا اِنکار کسی طور ممکن نہیں۔

داستانوں نے نہ صرف اُردو ادب کے دامن کو ثروت مند کیا ہے بلکہ اُردو نثر کے دائرے کو بھی وسعت بخشی ہے۔ اُردو زبان کے اِرتقا میں داستان کا کردار بہت نمایاں ہے اُردو کی یہ داستانیں انسانی زندگی کے مکمل دائرے کا احاطہ کرتی ہیں اور ان میں قدیم تہذیب و معاشرت، تخیل اور اندازِ فکر کی بڑی دِلفریب اور جاندار تصویریں جھلکتی ہیں۔ داستانیں زندگی کے لامحدود نقوش اور رنگ اپنے اندر سموئے ہوتی ہیں۔ وقت گزرے کے ساتھ ساتھ یہ نقوش کچھ دُھندلا ضرور جاتے ہیں مگر پھر بھی یہ داستانیں جس تہذیب میں جنم لیتی ہیں۔ اُس کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں اور گمشدہ تہذیبوں کو داستانوی ورثہ کے بل بوتے پر تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر سعید احمد اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

"داستان، انسان کی دم ساز اور ہمراز ہی نہیں ہم زاد بھی ہے۔ داستان سے انسان کا جنم مرن کا رشتہ ہے۔"[۳]

اُردو میں داستان گوئی کا آغاز مُلّا وجہی کی داستان "سب رس" 1635ء سے ہوتا ہے لیکن مُلّا وجہی کی یہ داستان ایک تمثیلی داستان ہے۔ اس کی عبارت پیچیدہ اور زبان دقیق ہے جس کی وجہ سے اس سے داستان کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ اُنیسویں صدی میں ہندوستان میں داستان نویسی کا باقاعدہ آغاز ہوا تو کثرت سے داستانیں لکھی گئیں۔ ان داستانوں کا اسلوب وجہی کی سب رس سے قطعی مختلف تھا اور ان کے مراکز لکھنؤ، رام پور، کلکتہ

اور حیدرآباد تھے۔ سب سے پہلے عطا حسین تحسین نے "قصہ چہار درویش" کا ترجمہ کیا پھر میر امن نے فورٹ ولیم کالج کے تحت ڈاکٹر گلکرسٹ کی سرپرستی میں اس قصہ کا ترجمہ "باغ و بہار" کے نام سے سادہ اور عام فہم زبان میں ۱۸۰۳ء میں تحریر کیا۔ فورٹ ولیم کالج میں داستانوں کے حوالے سے بہت کام ہوا ان میں چند اہم باغ و بہار، آرائشِ محفل، طوطا کہانی، داستانِ امیر حمزہ، نثر بے نظیر، بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی وغیرہ ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کے علاوہ بھی انفرادی طور پر اُنیسویں صدی کے آخر تک بہت سی داستانیں تحریر ہوئیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ نورتن، فسانۂ عجائب، گل صنوبر، الف لیلہ، بوستانِ خیال، طلسمِ ہوش رُبا، سروشِ سخن، طلسمِ حیرت اور انشاء اللہ انشا کی رانی کیتکی کی کہانی وغیرہ

داستانیں ایک ایسا تہذیبی منظر نامہ تشکیل دیتی ہیں جس میں اُس عہد کی تہذیب و معاشرت کی مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ داستانیں اپنے اندر مختلف تہذیبوں کے خدوخال محفوظ رکھتی ہیں اور ہر تہذیب کے اپنے مخصوص خدوخال ہوتے ہیں مگر اس سب کے باوجود دُنیا بھر کی داستانیں آپس میں کسی نہ کسی سطح پر مماثلت ضرور رکھتی ہیں۔ دُنیا بھر کی داستانوں کے اہم عناصر میں مافوق الفطرت عناصر کی موجودگی ملتی ہے۔ ان میں حقیقت کی جھلک بہت کم دکھائی دیتی ہے اور ایک عجیب و غریب، پُراسرار، رنگیں اور طلسماتی دُنیا کا بھرپور نقشہ ملتا ہے جو عیش و عشرت، مسرت و شادمانی سے آراستہ ہے اور جہاں انوکھی اور دلفریب مہمات کے لامتناہی سلسلے ہیں کیونکہ داستانوں میں عجائب نگاری سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے ان میں رومانوی قصے، مافوق الفطرت عناصر، ہوش رُبا طلسم، رزم و بزم کے مرقعے، عجیب الخلقت جانور، خطرناک مہمات اور ناقابلِ یقین واقعات شامل ہوتے ہیں۔ داستانوں میں حقیقت کم اور خیالی و فرضی قصے زیادہ ہوتے ہیں یعنی کہ داستانوں کی اساس رنگینیٔ تخیل، خیال آرائی اور جدت وندرت کے حسن پر قائم ہے اور مصنف کے تخیل کی رَو جس قدر تیز ہو گی۔ داستان اتنے ہی اعلیٰ پائے کی تخلیق ہو گی۔

سیّد وقار عظیم اس رنگین دُنیا کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

> "یہ صحیح ہے کہ داستانوں کی دُنیا اور اس دُنیا کے بسنے والے عجیب الخلقت ہیں۔ ان کی ہر بات کا انداز غیر فطری ہے حُسن کا، عشق کا، جرأت و مردانگی کا، کرم و ایثار کا۔۔۔ خیر کا، شر کا۔ ہر چیز کی ابتدا میں انتہا کی جھلک ہے۔"[۴]

ہر ادب اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے۔ اُردو کی نثری داستانیں بھی اپنے عہد کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ ان داستانوں کے کردار بھی اپنے مخصوص پس منظر میں اپنے مزاجوں کے اختلاف اور معاشرتی رویوں کے عکاس ہیں۔ سیّد وقار عظیم اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "داستانیں ہماری تہذیبی زندگی اور اس کے بے شمار گوشوں کی مصور و ترجمان ہیں، جس طرح غزل کے حرف حرف میں ہمارے سازِ دل کی ہر جھنکار اور اس شیشہ کی ہر کھنک سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح داستان کی ہر سطر میں ڈیڑھ سو برس کی معاشرت، تہذیب اور اندازِ فکر و تخیل کا رنگ جھلکتا اور چھلکتا نظر آتا ہے۔"[۵]

داستان کہانی کی ایک ہیئت ہے جس میں مصنف جیسا چاہے اسلوب اختیار کر سکتا ہے۔ وہ قصے کو طول دے یا مختصر کرے یہ اُس کی دسترس میں ہے۔ ہماری اُردو داستانوں میں جہاں داستانِ امیر حمزہ جیسی طویل داستانیں موجود ہیں وہیں سلکِ گوہر جیسی مختصر داستانیں بھی ملتی ہیں۔ داستانوں کا اوّلین مقصد تفریحِ طبع رہا ہے، مگر داستانوں میں تعلیمِ اخلاق اور تہذیبِ نفس پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ دُنیا بھر کی تہذیبوں میں جو بھی داستانیں لکھی گئیں ان کا بنیادی موضوع اخلاق اور محبت کا درس ہے۔ دُنیا بھر کی داستانیں خیر کو غالب اور شر کو مغلوب دکھاتی ہیں۔ داستانوں کے دامن میں انسانی

زندگی کے تمام معاملات سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ داستانیں انسان کے دل میں محبت، ہمدردی، انسانیت، خوف اور شر سے نفرت کے جذبات اُبھارتی ہیں۔ داستانوں کا مطالعہ تہذیبِ نفس اور شائستگی کی ترغیب دیتا ہے۔

اُردو داستانوں نے اپنی بنیاد پذیری میں فارسی داستانوں سے گہرا اور پائیدار نقش لیا ہے۔ ایرانی حکمرانوں نے برصغیر میں فتح یاب ہونے کے بعد یہاں قدم جمائے تو اس علاقے کی طرزِ معاشرت اور بود و باش کو اختیار کیا۔ یہ اپنے ساتھ اپنی فارسی تہذیب بھی ہندوستان لے کر آئے اور ان کی تہذیب کا کھلا اظہار ان داستانوں میں ملتا ہے جو کہ اصلاً فارسی تھیں لیکن ہندوستان آ گئیں۔ ان داستانوں کو ہندوستان میں بے حد پسند کیا گیا اور پزیرائی ملی۔ ان ایرانی بادشاہوں نے نہ صرف داستان گوئی اور داستان نویسی کی سرپرستی کی بلکہ درباروں میں باقاعدہ محافل سجتی تھیں اور داستان گو اپنی اپنی داستانیں سناتے اور بادشاہوں اور نوابین کی جانب سے بھاری بھرکم انعام و اکرام حاصل کرتے یوں داستانوں کا عوام کے علاوہ درباروں سے بھی اِنسلاک قائم ہوا جس کی بدولت داستان کی روایت میں مزید نکھار پیدا ہوا۔

ہندوستان، چین، یونان، مصر، روم، عراق، ایران اور عرب وغیرہ دُنیا کی قدیم تہذیبیں ہیں اور ان تمام تہذیبوں کا ادب اپنے اندر داستانوں کا ایک لامحدود سرمایہ سمیٹے ہوئے ہے اور یہ داستانیں اپنے عہد کے خد و خال اور نقوش کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ہندوستان صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ یہاں مختلف وقتوں میں مختلف النسل لوگ جیسے آریا، ترک، جین وغیرہ آتے رہے اور مقامی تہذیب سے میل جول کے نتیجے میں نئی تہذیبی شناخت عمل میں آئی۔ مغلوں کے بعد انگریزوں نے یہاں اپنی تہذیب کے انمٹ نقوش چھوڑے اور ایک مشترکہ نئی تہذیب و طرزِ معاشرت وجود میں آئی یہ گنگا جمنی تہذیب مختلف تہذیبوں کا ملغوبہ تھی۔

داستانیں مثالِ آئینہ ہیں کہ جن میں ہم مختلف تہذیبوں کے خط و خال مرورِ ایّام کے باوجود واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ دُنیا کی تمام تہذیبوں کے ادب میں داستانوں کے نقوش ملتے ہیں یہ نقوش دُھندلے سہی مگر یہ مختلف تہذیبوں کے متعلق معلومات کا خزانہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ تہذیبیں کبھی بھی جمود کا شکار نہیں ہوتیں۔ ان میں وقت، حالات اور افراد تبدیلی لانے کا موجب بنتے ہیں اور ہر زبان کا ادب ان تبدیلیوں کو اپنے اندر سموتا رہتا ہے اور آنے والے دور میں ہر عہد کی تفہیم اسی ادبی سرمائے کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ ادبی اصناف میں بالخصوص داستان ایسی صنفِ سخن ہے جو اپنے اندر معاصر تہذیب کے خاکے سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔

اُردو ادب میں تین طرح کی داستانیں ملتی ہیں ایک تو وہ جو فارسی سے اُردو میں ترجمہ کی گئیں۔ دوسری قسم میں ہندی یا سنسکرت سے اُردو میں ترجمہ ہونے والی داستانیں شامل ہیں اور تیسری طبع زاد ہیں یہ طبع زاد داستانیں تعداد میں بہت کم ہیں۔

ان داستانوں سے ہمیں قدیم ہندوستانی تہذیب کا شعور حاصل ہوتا ہے نہ صرف اس زمانے کے افکار و خیالات معلوم ہوتے ہیں بلکہ مذہبی عقائد، لباس، رسوم و رواج اور آپس میں میل جول کے طریقوں کے بارے میں معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ ان داستانوں میں تین طرح کی تہذیب و معاشرت کی عکاسی ہوتی ہے جس میں پہلی قسم عرب ایرانی دوسری ہندوانہ اور تیسری ہند اسلامی قسم ہے اور یہ تیسری قسم غالب نظر آتی ہے۔ پہلی قسم الف لیلوی داستانوں میں ملتی ہے جس کا ماخذ ہزار داستانیں ہیں جو شروع میں ایران میں لکھی گئیں لیکن بعد میں عربی میں ترجمہ ہونے کی بدولت ان میں دونوں تہذیبوں کی خصوصیات مجتمع ہو گئی ہیں لیکن جب یہ داستانیں اُردو میں ترجمہ ہوئیں تو اس میں ہندوستانی معاشرت کے عناصر داخل ہو گئے

اور یوں اُن میں مختلف تہذیبوں کے خدوخال کی جھلک نظر آنے لگی۔ ہندوستان کی مکمل معاشرت کی تصاویر صرف چند داستانوں جن میں مادھونل کام کندلا، بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی وغیرہ شامل ہیں میں ملتی ہیں۔

میر امن نے اپنی داستان باغ و بہار میں ہند اسلامی معاشرت کو اُجاگر کیا ہے کیونکہ وہ دہلی کے باسی تھے۔ اس لیے ان کی داستان میں دہلوی معاشرت و تہذیب کے خاکے نظر آتے ہیں۔ باغ و بہار میں میلے ٹھیلے، ضیافتیں، رسوم و رواج، حدود و قیود، آداب و مراسم، تہواروں کا نقشہ، سیر تماشے غرض وہ سب کچھ نمایاں ہے جو اس وقت کی دِلّی میں تھا۔ باغ و بہار کے کردار اگرچہ غیر ملکی ہیں لیکن ان کے کردارو افعال پر ہندوستانی رنگ غالب ہے۔

میر امن نے اپنی پہلی داستان میں پیش کردہ تمام واقعات میں کرداروں کے منہ سے جو بھی باتیں کہلوائیں اور ان سے جو افعال سرزد کروائے ان سے دہلوی معاشرت اور تہذیب کی جھلکیاں نظر کے سامنے گھومتی نظر آتی ہیں۔ دہلی میں اُمرا نوابین کی زندگی میں رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے، کھانے پینے کا جو انداز تھا اس میں ایک خاص قسم کی کشش اور حسن و دِلکشی پائی جاتی تھی جو کہ ایک الگ ہی انداز کی تھی اور میر امن نے جہاں بھی موقع پایا اس انداز کی مصوری بڑی خوب صورت انداز میں کی ہے۔ پہلا درویش جب یوسف سوداگر کو بلا کر واپس لوٹتا ہے تو وہ دعوت کا اہتمام اور لوازمات دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے یہاں پر اس اہتمام پر نفاست اور لطافت کھانے پینے کے بندوبست میں سب سے نمایاں ہے جسے دیکھ کر عام آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ ایک نظر اس اہتمام کی تصویر کشی پر ڈالتے ہیں:

> ”دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے۔ گلیارے میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے۔ یساول اور عصابردار کھڑے ہیں۔۔۔ دیکھا تو تمام حویلی فرشِ مکلف لائق ہر مکان کے جابجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پان دان، گلاب دان، عطر دان، پیک دان، چنگیریں، نرگس دان، قرینے سے دھرے ہیں۔ طاقوں پر رنگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں رنگ برنگی کی، چنی ہیں ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو، کنول کے روشن ہیں اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوس اوپر دھری ہیں سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں۔ باورچی خانے میں دیگیں ٹھنٹھنا رہی ہیں۔ آبدار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے۔ کوری کوری روپے کی گھڑونچیوں پر، صافیوں سے بندھی اور بجروں سے ڈھکی رکھی ہیں۔ آگے چوکی پر دونگے، کٹورے، جمع تھالی، سرپوش دھرے، برف کے آب خورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔“[٦]

حیدر بخش حیدری کی ”آرائشِ محفل“ میں میر امن کی ”باغ و بہار“ سا تہذیبی رچاؤ تو نظر نہیں آتا اور نہ ہی کھلم کھلا ہندوستانی معاشرت کے خاکے نظر آتے ہیں لیکن پھر بھی اس میں کہیں کہیں ایک خاص معاشرت، تمدن اور رسوم و روایات کی جھلکیاں نظر سے گزرتی ہیں مثلاً حاتم کی طرف سے منیر شامی کی آؤ بھگت اور حسن بانو کی طرف سے خراسان کے بادشاہ کے پیر کی دعوت سے ایک خاص معاشرت کا نمونہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اس داستان میں ایرانی و ہندوستانی معاشرت کے طریق، اندازِ نشست و برخاست، اہتمام، خدمت گزاری، زیب و زینت اور آداب و اطوار سے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ حسن بانو کی طرف سے دعوت کے اہتمام میں تہذیب کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

"اس خبر کو سنتے ہی اس نے اقسام اقسام کے کھانے پکوائے اور کئی خوان میوؤں اور مٹھالی کے تیار کیے اور کئی کشتیاں شاہ صاحب کی نذر کے واسطے ابریشمی زربافی زروجواہر اور روپے اشرفیوں کی بھی درست کر کے رکھیں، اس اُمید پر کہ درویشِ زمانہ کل آویں گے تو میں ان کو ان کے آگے دھروں گی اور عجز وانکسار سے پاؤں میں گر پڑوں گی، کہ اتنے میں صبح ہوئی کہ درویش انہی چالیسوں فقیروں کے ساتھ اپنی عادتِ قدیم سے سونے روپے کی اینٹوں پر پاؤں رکھتا ہوا حسن بانو کے گھر آ پہنچا۔"[۷]

حیدری کی "آرائشِ محفل" میں دہلی کے مغل معاشرے کی شائستگی، متانت، وضع داری اور سلیقہ نمایاں ہے اور اس شائستگی اور سلیقے کی مثالیں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ "رانی کیتکی کی کہانی" اور "باغِ اِرم" میں خالص ہندوستانی تہذیب پیش کی گئی ہے لیکن ان دونوں داستانوں میں جو تہذیب نظر آتی ہے وہ اتنی قدیم نہیں ہے جتنی ان سے پہلی داستانوں کی ہے۔ اس لیے ان داستانوں کا ذِکر دیومالائی عہد کی شروع کی داستانوں میں نہیں کیا جاتا۔

گیان چند جین اردو داستانوی سرمائے کے سوا تین سو سال کے نثری ادب میں معاشرت کے پھیلاؤ کا ذِکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عام طور پر یہ معاشرت ہند ایرانی یا مغل شاہی ہے۔ اس میں کہیں محمد شاہی دلّی کا شکوہ ہے تو کہیں نوابینِ اودھ کا طمطراق پرے جمائے ہے۔ باغ و بہار، فسانۂ عجائب اور داستانِ امیر حمزہ میں دِلّی اور لکھنؤ کی زندگی کی کئی جگہ جگ مگ جگ مگ جھلکیاں دے رہے ہیں۔ فسانۂ عجائب کے دیباچے میں نصیر الدین حیدر کا لکھنؤ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظروں کے سامنے سے گزر جاتا ہے۔ بھولے بھٹکے دوسری تہذیبوں کے نقوش بھی دکھائی دیتے ہیں۔ سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی، رانی کیتکی کی کہانی میں قدیم ہندوستان اپنے راجاؤں، جوگیوں، راج کماریوں اور باندیوں کو جلوس میں لیے موجود ہے۔ تو الف لیلہ کی کہانیوں میں شب رو خلیفہ ہارون الرشید کا بغداد، بصرہ اور موصل دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔"[۸]

اردو داستانوں میں پایا جانے والا شہر چاہے ایران ہو قسطنطنیہ یا ختن ہندوستانی معاشرت کی تصویر آپ کو کہیں نہ کہیں نظر آ ہی جائے گی۔ داستانِ امیر حمزہ، بوستانِ خیال، فسانۂ عجائب، باغ و بہار میں ہندی تہذیب کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ باغ و بہار میں بالخصوص دہلوی تہذیب و ثقافت کے نقش نمایاں ہیں جب کہ داستانِ امیر حمزہ میں اودھی تہذیب کی عکاسی نظر آتی ہے اور فسانۂ عجائب میں لکھنوی تہذیب کا کھوج ملتا ہے۔

داستانِ امیر حمزہ میں باغات کی تصویر کشی، لباس، زیورات کی رنگارنگی اور چمک دمک، بارات کی آرائش، شادی کی رسوم، غرض ہر چیز ہندی تخیل کی پیداوار ہے اور ہندی ثقافت سے اسے سینچا گیا ہے اور یہ تصاویر تاریخی اہمیت رکھتی ہیں جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو اس میں لکھنوی لہجہ اور بول چال کا رنگ نمایاں ہے۔

سیّد وقار عظیم رقم طراز ہیں:

"ہر داستان کا ہیرو اپنے طرزِ گفتگو سے اس مخصوص معاشرت اور ماحول کی غمازی ضرور کرتا ہے جس میں اس نے پرورش پائی ہے اور یہ سب ہیروز بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی اپنی گفتگو میں لہجہ کی نرمی کو فراموش نہیں کرتے یہ اندازِ گفتگو انھوں نے ایک خاص ماحول میں رہ کر سیکھا ہے اور اسے ترک کرنا ان کے اختیار میں نہیں۔"[۹]

"طلسمِ ہوش رُبا" کی فضا پر ہند عرب تہذیب کا رنگ نمایاں ہے مگر اس میں موقع بہ موقع ہندی رنگ بھی چھلکتا اور جھلکتا دکھائی دیتا ہے اور یہ رنگ اس میں کسی طور اجنبی محسوس نہیں ہوتا بلکہ اسی رنگ اور ڈھنگ کی بدولت داستان میں اثر آفرینی بڑھ جاتی ہے۔ کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

"یہ مقامی رنگ بڑی چھوٹی دونوں قسم کی چیزوں پر چھایا ہوا ہے اور زندگی کا جو "آئیڈیل" یہاں پیش کیا گیا ہے وہ خالص عرب نہیں اِس میں ہندی رنگ ہر جگہ جھلکتا ہے۔"[۱۰]

داستانِ امیر حمزہ میں جو ہندوستانی معاشرت ہے وہ "لندھور" یا کسی اور کردار کے ہندی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ مترجم کے ہندی ہونے کی وجہ سے ہے جس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس میں ہندوستانی رنگ داخل کر دیا ہے۔ کلیم الدین احمد اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں پردہ کا رواج ہے۔ اس لیے مرد عورت آزادانہ مِل جل نہیں سکتے مرد جن عورتوں سے آزادی کے ساتھ مِل سکتے ہیں وہ عموماً بیسوا ہوتی ہیں یا نچلے طبقے کی "طلسم ہوش رُبا" میں بھی داستان گو نے یہی دِقت محسوس کی تھی۔ اسلام میں پردہ ہے لیکن جس قسم کا پردہ "طلسمِ ہوش رُبا" میں رائج ہے وہ اِسلامی نہیں ہندوستانی ہے۔"[۱۱]

اُردو داستانوی سرمائے کو کھنگالنے پر "فسانۂ عجائب" جیسی نادر داستانیں سامنے آتی ہیں جو اپنے اسلوب میں یکتا و بے مثال ہیں اور اسی اسلوب کی بدولت جس نے اپنے مصنف کو شہرتِ دوام بخشوائی۔ 'فسانۂ عجائب' میں لکھنوی معاشرت، رسوم و رواج، رُجحانات اور مذہبی عقائد کی خاکہ کشی ملتی ہے۔ مصنف نے حقائق کے بیان میں کسی قسم کے مبالغے سے کام نہیں لیا جو تصنع اور بناوٹ لکھنؤ کی تہذیب کے رگ و ریشے میں سمائی ہوئی تھی۔ فسانۂ عجائب میں ہر جگہ اُس کا دور دورہ ہے۔ لکھنوی معاشرہ اوہام پرستی کا شکار نظر آتا ہے۔ جا بہ جا تعویذ گنڈوں، جادو اور سحر کا ذِکر ملتا ہے۔ سرور نے کئی جگہ اس کی تصویریں کھینچی ہیں۔

"ایک دن عالمِ تنہائی میں جان عالم کو یہ خیال آیا کہ اس نقش کی اُس نے بہت تعریف کی تھی۔ کھولو تو شاید عقدۂ کار بستہ کھلے یہ سوچ کر اُسے کھولا یہ نقشہ تھا۔ بست در بست کا نقش ہر خانے میں اسمائے الٰہی مع ترکیب و تاثیر تحریر تھے۔ دیکھتے دیکھتے خانۂ مطلب میں نظر پڑی لکھا تھا کوئی شخص کسی ساحر کی قید میں اگر ہو یہ اسم پڑھے نجات پائے یا مکانِ طلسم مَیں پھنسا ہو اُسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے اور جو کوئی سحر کرتا ہو اُس پر دم کر پھونک دے۔ اُسی دم اسکی برکت سے ساحر کو پھونک دے۔ یہ سانحہ اس میں دیکھ کے قریب تھا کہ شہزادے کو شادی مرگ ہو جلد جلد وہ سب اسم یاد کر نقش بازو پر باندھا اسی عرصے میں جادوگرنی موجود ہوئی۔"[۱۲]

اُردو داستانوں کا جہاں غالب موضوع سحر، جادو، تعویذ گنڈے اور مافوق الفطرت عناصر ہیں۔ وہاں ایک بھرپور حصہ بادشاہت اور اُس کے جاہ و جلال پر مبنی بھی نظر آتا ہے۔ عموماً داستانوں کی اِبتدا ہی بادشاہ کی شان و شوکت کے اظہار سے ہوتی ہے جو کہ بے مثالی ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان اور ایران کے وہ بادشاہ ہوتے ہیں جو تختِ طاؤس پر تمکنت سے بیٹھا کرتے تھے۔ جن کے لباس ریشم و زربفت کے ہوا کرتے تھے اور سروں پر سونے کے تاج آویزاں ہوتے تھے۔ جن کے درباروں کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ درباروں میں تخت و تاج ہیرے جواہرات، قیمتی لباس و زیورات اور رُعب و دبدبہ، تمکنت، سطوت و حشمت ہندوستانیت کی علامت ہے۔ اس شان و تمکنت کا ایک مقصد عوام کے دلوں پر رُعب و جلال قائم کرنا بھی تھا۔

فسانہ عجائب مصنف کی قوتِ مشاہدہ اور لکھنؤ سے والہانہ محبت کا مظہر ہے۔ قصے کے بیان میں ہونے والے عقائد، رسم و رواج، جشن و جلوس خاص طور پر شادی بیاہ سے متعلق تکلفات اور رسوم کو تفصیلاً اور معلوماتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

"محل میں بر محل رت جگے، صحنک، جابجا کونڈے، حاضری، دونے، پڑیاں منتوں کی، جس جس نے مانی تھیں، کرنے، بھرنے، دینے لگیں اور ڈومنیاں تڑاق پڑاق، پری وش، خوش گلو باانداز مع سامان و ساز حاضر ہوئیں، مبارک، سلامت کہہ کر شادی مبارک گانے چہچہے مچانے، نئی مبارک باد سنانے لگیں۔"[۱۳]

"داستانِ امیر حمزہ" ایک طویل داستان ہے جو کہ چھیالیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس داستان کا ایک حصہ "طلسم ہوش ربا" ہے جو کہ نو جلدوں پر مبنی ہے۔ اس داستان میں موقع بہ موقع لکھنوی تہذیب و معاشرت کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ رہن سہن، عقائد، میلے ٹھیلے اور رسوم و رواج کا ذِکر بکثرت ہوتا ہے۔ طلسمِ ہوش ربا جلد اوّل میں چاہ زمرد کے میلے کی تفصیلات گیارہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جب کہ جلد پنجم حصہ اوّل میں ایک میلے کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے۔

ہر داستان اپنے ماحول اور معاشرت کی عکاسی اپنے انداز سے کرتی ہے۔ اُردو داستانوی سرمائے پر اگر ایک نظر غائر کی جائے تو کہیں ہندوانہ رسم و رواج نظر آئیں گے جو خالص ہندی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں تو کہیں عرب ایرانی کلچر کا غلبہ ہے اور کہیں ہند اسلامی فضا غالب ہے۔ آرائشِ محفل، الف لیلہ اور داستانِ امیر حمزہ عرب ایرانی تہذیب کی تصویر کشی کرتی ہیں لیکن اس میں ہند اسلامی تہذیب کے نمایاں اثرات بھی نظر آتے ہیں جب کہ مادھونل و کام کندلا، شکنتلا، رانی کیتکی کی کہانی اور بیتال پچیسی کا ماحول خاصاً ہندوانہ ہے اور بہت سی اُردو داستانوں کا ماحول ہند اسلامی تہذیب کا غماز بھی ہے جس میں ہندو مسلم مشترکہ تہذیب بھی ہے اور بعض جگہ خالص ہندو تہذیب و معاشرت بھی مل جاتی ہے۔ اسی طرح کہیں کہیں خالص مسلم معاشرت کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

داستان وہ واحد صنفِ ادب ہے کہ جس میں ماضی کا سراغ نسبتاً زیادہ ملتا ہے اور گزرتے وقت اور تہذیب کی واضح تصاویر اور خدوخال نظر آتے ہیں۔ داستانوں میں اُمراء کی زندگیوں کی بھرپور عکاسی کے ساتھ ساتھ معاشرتی رسوم و رواج، رہن سہن کے طریقے، اعتقادات اور آداب وغیرہ کی بھی بڑی واضح مرقع نگاری ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ داستان اپنے عہد اور عہد کی تہذیبی اقدار کی آئینہ دار ہوتی ہیں کیونکہ داستانوں میں معاصر تہذیب و معاشرت کی مرقع کشی بھی ہے۔ میدانِ رزم و بزم کا بیان بھی۔ حسن و عشق کی داستانیں بھی ہیں اور بزمِ طرب کا ذِکر بھی مناظرِ فطرت کی تصویر کشی بھی ہے اور جذبات و احساسات کی عکاسی بھی یعنی یہ زندگی کے تمام معاملات کا بیان ہوتی ہیں۔

ایک طویل عرصے تک داستانیں اُمراء و شرفا کی محافل اور قہوہ خانوں میں شوق سے سنی جاتی رہیں پھر وقت نے کروٹ لی اور زندگی سے فرصت و فراغت رُخصت ہوئی تو داستانیں بھی ماضی کا حصہ بن گئیں مگر ادب کی ایک اہم صنف کے طور پر آج بھی اس کی اہمیت سے کسی طور اِنکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ نہ صرف تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنیں بلکہ ہمیں ماضی سے روشناس کروانے اور مختلف تہذیبوں سے آگاہی کا موجب بھی رہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان داستانوں کی بدولت ہندوستان کی تہذیبی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ کلیم الدین احمد، اُردو زبان اور فنِ داستان گوئی، دائرۂ ادب، بانکی پور، پٹنہ، ص ۱۰
۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اُردو داستانیں (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۵۱
۳۔ سعید احمد، ڈاکٹر، داستانیں اور حیوانات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ۱۳
۴۔ وقار عظیم، سید، ہماری داستانیں، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور: ۱۹۵۶ء، ص ۳۱
۵۔ ایضاً، ص ۵
۶۔ میر امن، دہلوی، باغ و بہار، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۷
۷۔ حیدر بخش حیدری، دہلوی، آرائشِ محفل، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۳۱
۸۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اُردو کی نثری داستانیں، انجمن ترقیٔ اُردو، پاکستان، کراچی، ۲۰۱۴ء، ص ۱۸۵
۹۔ وقار عظیم، سیّد، ہماری داستانیں، ص ۹۴
۱۰۔ کلیم الدین احمد، اُردو زبان اور فنِ داستان گوئی، ادارہ فروغِ اُردو، لکھنؤ، ۱۹۷۲ء، ص ۸۸
۱۱۔ ایضاً، ص ۸۶
۱۲۔ رجب علی بیگ سرور، فسانۂ عجائب، مرتبہ: سید محمد محمود رضوی، رام نارائن لال پبلشرز، ۱۹۲۸ء، ص ۶۱
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۲۹

1. Kaleem deen ahmad, urdu zuban or fan e dastan goi, daira adab, bankipur, patna, page 10
2. Suhail bukhari, Dr, urdu dastane, muqtadra qomi zuban, Islamabad,1987, page 51
3. Saeed ahmad, Dr, dastane or hawanat, muqtadra qomi zuban, Islamabad, 2012, page 13
4. Waqar azeem, syed, hamari dastane, idara faroghe urdu Lahore, 1956, page 31
5. Azzen, page 5
6. Meer Aman, dehlwi, bagho bhar, sang mail publication, Lahore, 2008, page 27
7. Haider baksh hadri, dehlwi, arish e mahfil, ilma o arfan publication, Lahore, 2020, page 31
8. Gyan chand jain, Dr, urdu ki nasri dastane, anjman tarqee urdu pakisatn, Karachi, 2014, page 185
9. Waqa azeem, syed, hmari dastane, page 94

10. Rajib alia big saror, fasnae ajaib, muratba syed mahmood rizwi, ram narain lal publisher, 1928, page 61
11. Azeen, page 129